(غلام گردش)

توازن

چندروز بعد الیکشن ہونے والے ہیں۔ملک کی قسمت کا فیصلہ۔نصف دہائی کے حکمران چننے کا وقت۔دیکھا جائے تو ایک نیا سیاسی نظام جنم لینے کے قریب ہے۔سروں کی فصل پک چکی ہے اور ووٹ کی تلوار فیصلہ کریگی کہ کون سرفراز ٹھہرے گا اور کون طاقت کے قلعہ کی فصیل میں چنوا دیا جائیگا۔صدا بادشاہی تو خالق کی ہی ہے۔مگر دنیاوی حکمران بھی بے حد اہم ہیں۔انہوں نے ہی بائیس کروڑ لوگوں کی قسمت کا جزوی فیصلہ کرنا ہے۔ان پر نگاہ مرکوز رکھنا اَز حد ضروری ہے۔

الیکشن میں کون جیتتا ہے۔یہ تو چار دن بعد معلوم ہوگا۔مگر ایک نکتہ سامنے لانا چاہتا ہوں۔آپ سے اس پر فیصلہ صادر کروانا چاہتا ہوں۔وہ یہ کہ ہمارے قومی سطح کے سیاستدان یا مستقبل کے ہونے والے حکمران یا ماضی کے برگزیدہ لوگ،ایک دوسرے کے متعلق کیا لغو گفتار کا استعمال کر رہے ہیں۔مستند ترین زمینی خداؤں کا باطن انکی زبان کے زریعے لوگوں کے سامنے آ رہا ہے۔کون سا ایسا ادنیٰ لفظ یا جملہ ہے جو یہ ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہیں کر رہے۔کون سا گند ہے جس سے یہ اپنے مخالف کی کردار کشی نہیں فرما رہے۔احتیاط کا دامن پکڑ کر چند صیغے آپکے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

"یہودی"، "کافر"، "گدھے"، "الزام خان"، "یوٹرن کا بادشاہ"، "منافق"، "طوائف کا بیٹا"، "پاگل"، "نیست و نابود"، "دھوکے باز"، "بے غیرت" اور ان جیسے درجنوں الفاظ اسطرح استعمال ہو رہے ہیں کہ شرم آتی ہے۔کئی جملے تو کالم میں لکھے ہی نہیں جا سکتے۔گزارش ہے کہ لوگ اپنے سرکردہ افراد کو ہر طریقے سے نقل کرتی ہے۔عام آدمی کی اخلاقیات کا اصل معمار قوم کے رہنما ہوتے ہیں۔مانیں یا نہ مانیں۔لوگ عام آدمی سے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔اسکی عادات،اخلاقیات اور طرزِ عمل کو قطعاً نہیں اپناتے۔صرف اور صرف مقتدر طبقہ ہی اس اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ لوگ اسکی روش اور زبان کو اپنائیں۔یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سفید پوش آدمی کا معاشرے پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔وہ تو ایک شناختی کارڈ ہے۔دنیا میں آیا،روزگار کی تلاش میں ذلیل ہوا،شادی ہوئی،اولاد ہوئی اور پھر دنیا سے واپسی۔نہ کوئی نام اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی قسم کا اخلاقی سرمایہ۔اسکے برعکس،اہمیت تو ان رہنماؤں کی ہے،جنکے پاس حکومت ہوتی ہے یا الیکشن کے بعد جانے والی ہے۔

کسی بھی سیاسی رہنما پر ذاتی تنقید نہیں کر رہا۔غیر متعصب طریقے سے گزارش پیش کرتا ہوں۔ایک بھی قومی سطح کا سیاستدان نہیں جو اپنی زبان سے غلاظت نہیں پھیلا رہا۔ایسے ایسے جملے کہے جا رہے ہیں کہ سنکر یقین ہی نہیں آتا کہ یہ انسان ہوش و حواس میں ہے یا اسکے برعکس معاملات ہیں۔کیا حافظ آباد سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون سیاستدان نے جلسہ عام میں نہیں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ بھی غلطیاں کرتا ہے اور پھر ان سے سیکھتا ہے"۔دل نہیں مانتا کہ کوئی سنجیدہ عورت اس سطح کی بات کر سکتی ہے۔یہ جملہ کہنے کیلئے کردار کی ہر نچلی حد کو پار کرنا ضروری ہے۔آگے عرض نہیں کر سکتا۔مگر اپنے قائد کو جو دنیا میں غیر جانبدار تحقیقی اداروں کے مطابق کرپشن میں صفِ اول کا انسان ہے۔اسے خدا سے ملانا یا مقابلہ کرنا اَز حد ادنیٰ بات ہے۔گمان ہے کہ سابقہ وزیر نے صدقِ دل سے رب سے معافی مانگی

ہوگی۔قطعاً یہ علم نہیں کہ مذہبی علماء کا اس پر کیا ردِعمل ہوگا۔بہر حال یہ جملے ٹی وی پر اس خاتون نے بلاخوف وخطر ادا کیے ہیں۔سوچیے، کہ اس سطح کے لوگ واقعی ہماری قیادت کے قابل ہیں۔

اسی طرح لاہور سے تعلق رکھنے والے جید سیاستدان نے مخالفین اور ایک جماعت کے حق میں ووٹ ڈالنے والوں کو "بے غیرت" کہہ ڈالا، بات یہاں نہیں رکتی۔موصوف نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ایک "غیرت مند" جو انکی پارٹی کو ووٹ دیگا اور دوسرا "بے غیرت" جو مخالف سیاسی حریف کو ووٹ ڈالے گا۔درست ہے کہ الیکشن کمیشن نے اس بات کا نوٹس لیا۔مگر کیا ایک انسان کا بازاری پن صرف ایک جملے سے ظاہر نہیں ہوگیا۔کیا یہ جملہ اس اخلاقی گراوٹ کو ظاہر نہیں کرتا جو اس قماش کے لوگ بڑی خوبصورتی سے اندر چھپا کر رکھتے ہیں۔بہترین کپڑوں سے اپنے آبروباختہ وجود کو چند گھنٹوں کیلئے چھپا تو لیتے ہیں۔مگر ذہنی گراوٹ کا تو کوئی علاج نہیں۔یہ تو مشکل مواقع پر اصل صورت میں باہر آتی ہے۔اس بار بھی یہی ہو رہا ہے۔بالکل اسی طرح خیبر پختونخواہ کے سابقہ وزیر اعلیٰ نے پیپلز پارٹی کے لوگوں کے متعلق جو ہرزہ سرائی کی ہے۔وہ بھی بے حد مشکل ہے۔انکا یہ کہنا کہ جس گھر پر مخصوص پارٹی کا جھنڈا لگا ہوتا ہے اس گھر کا تعلق بالا خانے سے ہوتا ہے۔بے حد تکلیف دہ بیانیہ ہے۔مجھے کسی بھی سیاسی پارٹی سے کوئی دلچسپی نہیں۔مگر سیاسی اختلاف کو اتنا بڑھاوا دے ڈالنا، کہ اگلے کے خاندان تک کو گالیاں دینا، کسی بھی اعتبار سے شرفاء کا شیوہ نہیں۔حکمرانوں کو تو ادراک ہی نہیں کہ ہر "برا الفاظ" پلٹ کر واپس آنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اس معاشرے میں تو خیر برائی سو فیصد واپس اسی گھر میں آتی ہے جہاں سے معاملہ شروع ہوتا ہے۔

خیبر پختونخواہ کے ایک جید مذہبی سیاسی جماعت کے سربراہ سیاسی مخالفین کو "یہودی" کہتے ہیں۔ہر بات پر دوسروں کو "کافر"، "لادین"، اور "غیر مسلم" قرار دے دیتے ہیں۔کمال ہے کہ دنیاوی مراعات سے شرابور یہ مذہبی رہنما اپنے مخالفین کو جس طرح لتاڑتے ہیں۔وقت آنے پر انہی کے سامنے کام کروانے یا میٹھی میٹھی وزارتیں لیتے، اس طرح معصوم بن جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔اپنے علاوہ ہر ایک کو غیر مسلم قرار دیکر یہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔کم از کم طالبعلم تو سمجھنے سے قاصر ہے۔کوئی دینی بات نہیں کرنا چاہتا۔مگر سیاست میں کامیاب ہونے کیلئے یہ ہر گرا ہوا لفظ منہ سے نکالنا نیکی سمجھتے ہیں اور اگر انہیں غلطی سے کچھ کہہ دیا جائے تو یہ آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔مجھے مذہبی علماء سے دلی عقیدت ہے۔مگر مذہب کو سیاست کیلئے استعمال کرنا محترم بات نہیں ہے۔

سیاسی جماعتوں کے سربراہان جو فرماتے ہیں وہ بھی غور طلب ہے۔اپنے مخالفین کو گدھا کہنا۔انہیں انسانوں کی صف سے نکال کر جانور سے تشبیہہ دینا بالکل غیر مناسب ہے۔آپ جتنے بڑے منصب پر ہیں، مقبولیت کے تخت طاؤس پر براجمان ہیں، کم از کم، انہیں تو اپنے منصب کی پاسداری کرنی چاہیے۔بالکل اسی طرح پنجاب کے سابقہ وزیر اعلیٰ، ایک عجیب لہجے میں سیاسی مخالفین کو مخاطب کرتے ہیں۔بے سروپا اور اکھڑ ہوئے القاب استعمال کر کے مخالفین کی ذاتی تحقیر فرماتے ہیں۔الزام خان، یوٹرن کا بادشاہ، چور، ڈاکو اور دیگر ادنیٰ الفاظ ہرگز ہرگز ادا نہیں ہونے چاہیے۔نجی محفلوں میں جو مرضی کہیں۔مگر جلسے اور جلوسوں میں کبھی احساسِ ذمہ داری کا دامن قطعاً نہیں چھوڑنا چاہیے۔یہ کہنا کہ پیٹ چاک کر کے پیسے نکلواؤں گا۔سڑکوں پر گھسیٹونگا۔میری نظر میں یہ مناسب فقرے نہیں ہیں۔اس سے پہلے کہ

تحریر کو سمیٹوں۔ ریحام خان کی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ قطعاً اس خاتون کو نہیں جانتا۔ جاننا بھی نہیں چاہتا۔ مگر جس طرح کی غیر اخلاقی کتاب، بغیر سند کے انہوں نے تحریر فرمائی ہے، وہ حد درجہ متنازعہ فعل ہے۔ خلوت کی باتیں تو شرفاء مرتے دم تک سینے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ کجا، سابقہ بیوی، غصے اور ردِ عمل سے مغلوب ہو کر اتنی بازاری حرکت کرے۔ اس سے آگے کچھ نہیں لکھنا چاہتا۔ کیونکہ قلم کی اپنی ایک توقیر ہوتی ہے۔

گالیاں نما الفاظ کے علاوہ درجنوں ایسے جملے ہیں جنہیں قلمبند کر سکتا ہوں۔ پھر شرم آتی ہے۔ بہر حال یہ ہے ہمارے سابقہ اور مستقبل کے حکمران، انکی سوچ اور انکی زبان۔ بالکل عرض نہیں کر رہا کہ سیاسی میدان میں مخالفین کیلئے سخت زبان نہ استعمال کی جائے۔ مگر سخت زبان اور بازاری زبان میں حد درجہ فرق ہوتا ہے۔ الفاظ کو جس قالب میں ڈھالیں، وہ ڈھل جاتے ہیں۔ سیاسی میدان کے کھلاڑیوں کو تو لفظوں کی دنیا کا بادشاہ ہونا چاہیے۔ جیسے جوش ملیح آبادی کے سامنے اردو زبان کی تمام تراکیب ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوتی تھیں۔ بالکل اسی طرح ہمارے لیڈروں کو اپنی زبان اور بیان پر کنٹرول ہونا چاہیے۔ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا، بخوبی علم ہونا چاہیے۔ مگر یہاں تو آپ جتنی بازاری تقریر کرتے ہیں، دشمنوں کو غلیظ گالیاں دیتے ہیں۔ لوگ زیادہ تالیاں بجاتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں کہ واہ، دیکھا ہمارا لیڈر کتنا تگڑا ہے۔ زہر سے بجھی ہوئی زبان یہاں شائد ایک مثبت بات سمجھی جاتی ہے۔ مگر یاد رکھیے۔ عام لوگوں کے کردار اور اخلاق کی تربیت دراصل حکمران کرتے ہیں۔ صرف اور صرف مقتدر طبقہ کرتا ہے۔ اگر وہ اسکو برا نہیں گردانتے تو عام آدمی کی زبان میں بھی وہی تلخی اور غلاظت عود کر آئیگی، جو انکے حکمرانوں کا خاصہ ہے۔ نتیجہ یہ، ایک طرف تو ہم نازیبا الفاظ کے اسیر بن جاتے ہیں تو دوسری طرف نوجوان نسل میں بھی وہی رویہ منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی لب ولہجہ میں بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو اردگرد عام لوگوں کی لفظی تراکیب پر غور کیجئے۔ آپکو بتدریج گراوٹ شدت سے نظر آئیگی۔ یہ دراصل ہمارے سیاسی رہنماؤں کی عطا اور دین ہے۔ اس سے کیسے مفر حاصل کیا جائے۔ اسکا کوئی بھی سادہ طریقہ کم از کم میرے سامنے نہیں ہے۔

عجیب اَمر یہ بھی ہے کہ جن سیاسی رہنماؤں نے ملک حاصل کیا۔ انگریزوں کی غلامی سے نکال کر ایک نیا وطن دیا۔ ان میں سب سے سرکردہ شخص قائداعظمؒ نے کبھی اپنے بدترین سیاسی مخالف کے متعلق بھی ادنیٰ بات نہیں کی۔ مگر بابائے قوم کو یہاں عملی طور پر کون پوچھتا ہے۔ صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔ کسی کو اندازہ نہیں ہو رہا کہ شدت پسندی کی ایک بنیاد نازیبا زبان ہے۔ پورا معاشرہ شدید عدم توازن کا شکار ہے۔ معاشرتی، سماجی، اقتصادی، مالیاتی، خاندانی اور روایتی توازن کسی مقام پر نظر نہیں آتا۔ الیکشن تو 25 جولائی کو ختم ہو جائیگا۔ مگر متنازعہ الفاظ کا یہ جوہڑ تو اگلے کئی سالوں تک ہماری روح کو خراب سے خراب کرتا رہیگا۔ اب اس عجیب سے معاشرے میں توازن کون لیکر آئیگا! سمجھ نہیں آتا!

راؤ منظر حیات